OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 & ISSN (PRINT): 2707-1200
http://www.arjish.com

اسد محمد خان کے افسانوں میں اسلامی، تاریخی و تہذیبی شعور: ایک تنقیدی جائزہ

Islamic, Historical and Cultural Consciousness in Asad Muhammad Khan's Stories: A Critical Review

Miss Haleema Sadia
M.Phil Urdu, ISP, Multan.
Email: hafizhuq@gmail.com

Received on: 08-01-2025 Accepted on: 10-02-2025

Abstract

Asad Muhammad Khan is considered an important intellectual of Urdu. He born in India and then migrated to Pakistan in 1950. His work is mostly related to the historical events occurred during the partition of India. He emphasized the historical perspective of the people and stated that human life is very important and evolutionary. He is very important story t writer and in his different stories he describes several event of the kings of Delhi Sultans and gave these events a historical touch to increase the interest of the readers. He also authored about the different historical events related to the Islamic history as the initial phase of Islam the tregidy of Karbala. This article covers the intellectual work of Asad Muhammad Khan.

Keywords: Asad Muhammad Khan, Urdu, Story, Literature, Pakistan.

تعارف

اسد محمد خان کے افسانوں میں اسلامی واقعات کو نہایت عرق ریزی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ عام طور پر اردو میں افسانے کی دو بنیادی صفات ہیں۔ اول یہ کہ افسانے کی بنیاد جذبے یا تصور کے بجائے واقعہ پر ہوتی ہے۔ چونکہ یہ واقعہ نثر میں ترتیب دیا جاتا ہے اس لئے افسانے میں بیان واقعہ کی تنظیم کا فن شاعری میں بیان واقعہ سے مختلف ہوتا ہے۔ کیوں کہ اردو شاعری میں نظم کے اصول روایتا متعین ہیں اور افسانے میں اس طرح کی کوئی قید نہیں ہے۔ افسانہ نگار اپنے منتخب طریقے سے واقعے کو ترتیب دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ اس لئے افسانے میں واقعہ کی تنظیم کے متعلق کوئی کلیہ مرتب نہیں کیا جا سکتا۔

افسانے کی دوسری صفت یہ ہے کہ یہ صنف مغرب سے درآمد شدہ ہے اور اردو میں مقبول اس لئے ہوئی کہ اس کے ذریعے مخیالی اور تجریدی واقعات مرتب کرنے کے بجائے حقیقی زندگی کا قصہ یا واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ یہاں حقیقی زندگی کا واقعہ بیان کرنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ خارج میں ضرور واقع ہو اہو یا افسانہ نگار کے تجربے میں ضرور آیا ہو۔ بلکہ زندگی کی ترجمانی سے مراد یہ ہے کہ واقعہ کے ہونے اور دوسرے واقعات سے مربوط ہونے کے لئے سبب اور نتیجے کی منطق نمایاں ہونی چاہئے جسے ہم روزانہ زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں یا جن کا ہم اپنے خواص

کے ذریعے ادر اک کر سکتے ہیں۔اگر دیکھا جائے تواردوادب میں اس اعتبار سے افسانہ ایک مشکل صنف ہے کہ ایک جانب افسانے کے لئے بالکل ضروری نہیں ہے کہ افسانے میں بیان کردہ واقعات حقیقی ہوں یا جن کی خارج میں تصدیق ممکن ہو۔ مگر یہ ضروری ہے کہ افسانہ میں ترتیب دیئے گئے واقعات جو اس کے ذریعے اور اک کئے جانے والے واقعات سے مکمل مشابہت رکھتے ہوں۔ اس لئے افسانہ کی قرآت بھی گہرے تنقیدی شعور کا تقاضہ کرتی ہے۔ کیوں کہ افسانے کا قاری یہ سمجھتا ہے کہ ضروری نہیں کہ افسانے میں بیان کردہ واقعات حقیقی ہوں لیکن وہ انہیں ایسے پڑھتا ہے جیسے وہ سچے واقعات پڑھ رہا ہو ۔ مزید یہ کہ افسانہ نگاری میں افسانہ نگار کبھی تو صرف خود کو واقعہ بیان کرنے تک محدود رکھتا ہے اور کبھی واقعہ کی بنیاد ایسے جذبے یاتصور پر رکھتا ہے جو واقعے یا تصور کے محرک یا مقصود کی حیثیت سے افسانے میں موجود ہوتے ہیں۔ مگر وہ متن افسانہ میں اس کا ذکر نہیں کرتا اور یہ ذمہ داری قاری پر ڈال دیتا ہے کہ وہ اپنے طور پر افسانے کا مرکزی خیال دریافت کرے۔

تاریخی عمل کی ابتداء انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی ہو گئی تھی۔ تاریخ کو اقوام کی زندگی میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ انسان کی شخصیت کو بنانے اور بگاڑنے میں تہذیبوں کا وجود میں آنا اور دنیا کے نقشے سے مٹ جانا تاریخی عمل کی بنا پر ہے۔ اردو فسانے کی تاریخ میں قرۃ العین حیدر اور عزیز احمد نے تاریخ کے حوالے سے یاد گار افسانے لکھے ہیں۔اسد محمد خان ہمارے عہد کے ایسے افسانہ نگار ہیں جن کے افسانوں کی ایک بڑی تعداد تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی افسانوں کی ہے۔ اسد محمد خان نے تاریخی حقائق کو افسانوی نثر میں ڈھالا ہے۔ جس سے نہ صرف ادب کی سطح پر افسانے کا کینوس بڑھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تاریخ نگاری کا نیا نقطہ نظر سامنے آگیا۔

ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں:

وہ تاریخ سے انسانی بصیرت کے لئے ایسے معنی کشید کرتے ہیں جو ایک طرف انسانی فطرت کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں اور دوسری طرف تاجداروں غرض مندوں، سازشوں اور جلسے جلوسوں کی زینت بنے والوں کی ظاہری اغراض کے پس پردہ یا متوازی دھند لکے میں چھپی تمناؤں کو ایک وجدانی انکشاف بنا دیتے ہیں۔) ''[1]

اسد محمد خاں بنیادی طور پر ایک افسانہ نگار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ انھوں نے انسانی زندگی کی نیرنگیوں کو پوری تخلیقی قوت کے ساتھ اپنے افسانوں میں روشن کیا ہے۔ اسد محمد خان کا افسانوی کینوس بہت وسیع ہے۔ ان کا ہر افسانہ انسانی زندگی کی ایک نئی حقیقت کو منفرد اسلوب میں پیش کرتا ہے۔ انھوں نے جہاں انسانی تاریخ و تہذیب کواپنے افسانوں میں جگہ دی ہے، وہیں معاشرے سے مفقود ہوتے ہوئے انسانی اقدار ، اخلاق ، اخوت، وفاداری اور انسانوں کے بعض انفرادی صفات کو بھی موضوع بنایا ہے۔ جو آدمی کو بحیثیت انسان معاشرے میں بلند مرتبہ عطا کرتا

ہے۔ اقدار کے حوالے سے لکھے گئے افسانوں میں معاشرے کے بدلتے ہوئے تہذیبی تصورات کے ذریعے یہ نمایاں کیا گیا ہے کہ کس قدر انسانی تہذیب روحانیت سے مادیت کی جانب زوال پذیر ہے۔ معاشرے کے انسانوں کے ذریعے انسانیت کی وہ اعلی ترین مثال پیش کی گئی ہے، جو اس ریا کار اور خود غرض دنیا میں اب مفقود ہو چکی ہے۔ خود غرضی، ہوس اور ظلم سے بھری ہوئی دنیا کا نقشہ اسد محمد خان نے اپنے کئی افسانوں میں پیش کیا ہے لیکن ان تمام افسانوں میں زندگی کی پسندیدگی اور توقیر کا نقطہ بھی ساتھ ساتھ پوشیدہ رہتا ہے۔ اخلاق ، اخوت ، محبت اور وفاداری کی جو اعلی ترین مثالیں اسد محمد خان نے اپنے افسانوں میں پیش کی ہیں وہ کسی دوسرے افسانہ نگار کے یہاں نظر نہیں آتیں۔ انسان کی انفرادی صفات کو موضوع بنا کر جو افسانے تشکیل دیے گئے ہیں، ان میں فرد اپنی صفات کے سبب انسانیت کے اعلی ترین مقام پر فائز ہوتا ہے۔ مثلاً افسانہ ”نربدا میں اسد محمد خان نے شجاعت کو انسانی صفات کا وہ جوہر قرار دیا ہے جو امیر غریب ، ذات برادری نے اور مذہب کی تفریق سے بالکل بالاتر انسانی اقدار کا شناختی امتیاز معلوم ہوتا ہے۔اس اعتبار سے اسد محمد خاں کی کہانیاں بہت سنجیدہ مطالعے کا تقاضہ کرتی ہیں ۔ اکثر یہ خیال بھی آتا ہے کہ ان کے افسانوں کے موضوعات جن محرکات کا پتہ دیتے ہیں۔ اس پر افسانہ نگار کے منفرد فکر کی چھاپ بہت واضح ہے۔ اسد محمد خاں کی نثری تخلیقات کے آٹھ مجموعوں میں کل سے سے طبع زاد کہانیاں ہیں۔ جن میں سے ان کے اکثر افسانوں کے موضوعات تاریخ اور تہذیب پر مبنی ہیں۔

اسد محمد خان کے افسانوں میں تاریخی شعور:

بر صغیر کی تاریخ میں ایسے بہت سے سلاطین گزرے ہیں جن کا اپنے دور میں بہت رعب و دبدبہ تھا۔ لیکن اب ان کا کوئی نام لیوا نہیں۔ ہندوستان کی تاریخ میں کچھ ایسی بڑی شخصیات نظر آتی ہیں جنھوں نے تاریخی عمل کو ایک نیا موڑ دیا ان میں ایک نام شیر شاہ سوری کا بھی ہے۔ اسد محمد خان کے بہت سے افسانے شیر شاہ سوری کے دور کیعکاسی کرتے ہیں۔ اسد محمد خاں نے نے تاریخ کو افسانے میں اس طرح گوندھ ڈالا ہے کہ دونوں اجزاء کو الگ الگ کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ نا ممکن ہو گیا ہے کہ کہاں تاریخی حقائق ہیں اور کہاں تخیل کی کار فرمائی ہے۔

ایک سنجیدہ ڈی ٹیکٹیو سٹوری

رگھو ہا اور تاریخ فرشتہ

شہر کوفے کا محض ایک آدمی

غصے کی نئی فصل

ایک سنجیدہ ڈی ٹیکٹیو سٹوری:

ایک سنجیدہ ڈی ٹیکٹیو سٹوری میں کہانی شیر شاہ سوری کے زمانے کی ہے ۔ عنوان سے ہی ظاہر ہے کہ یہ ایک جاسوسی طرز کی کہانی ہے۔ لیکن کہانی سے پہلے ایک روایت بیان کی گئی ہے جس میں صراحت کی گئی ہے کہ یہ کہانی کسی بھی سلطان یا سلطانہ کی ہو سکتی ہے۔ خواہ وہ مغلوں میں سے پہلے کے ہوں یا پھر بعد کے انہیں ہلاک کرنے کی سازشیں کی جاتی ہیں اور اس کے کئی طریقے مروج رہے ہیں۔اس کہانی میں ماضی کا زمانہ استعمال کرتے ہوئے اپنے تخیل کی مدد سے جو تاریخی صداقت بنی گئی ہے وہ وہی ہے جو ارسطو نے شاعری کے حوالے سے کہی تھی کہ بعض اوقات تخیل کی مدد سے شاعر جو کچھ گھڑتا ہے وہ آفاقی نوعیت کا کار نامہ بن جاتا ہے۔

یہ کہانی ایک خاص زمین اور زمانے سے متعلق ہونے کے باوجود زمانے اور زمین کی قید سے آزاد لگتی ہے۔ اس کہانی میں اسد محمد خان کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے تاریخ کے التباس سے اپنے زمانے کی صور تحال واضح کی ہے۔ ہر زمانے میں حکمرانوں کا ایک جاسوسی کا مربوط نظام ہوتا ہے جو ایک خاص انداز میں کام کرتا ہے۔ اس نظام میں سازشیں ہوتی ہیں جن میں کچھ کامیاب رہتی ہیں، کچھ ناکام ہو جاتی ہیں ، اور کچھ سازشیں پکڑی جاتی ہیں۔ سازشیں بننے والوں کے در میان بد اعتمادی کے کارشتہ ہوتا ہے ، جو شک سے شروع ہوتا ہے اور شک پر ہی ختم ہوتا ہے۔ یہ ایک چالا کی بھری جنگ ہوتی ہے جس میں خبر ہی نہیں لگتی کہ کون سا فریق ایک ذراسی چوک سے مار کھا جائے گا، اس نظام کی اخلاقیات کا دارو مدار شک اور دھو کے پر ہوتا ہے ، لالچ، ترغیب، تحریص، دھونس اور ڈر اوا اس کھیل کی نامور چالیں ہیں۔ اس پر اسرار کہانی میں یہ بھی زندہ اور جیتے جاگتے کردار انہی ہتھیاروں سے لیس ہیں۔

دریا) خان (کی آنکھیں کمرے کی تاریکی کی عادی ہو چکی تھیں۔ وہ بے چینی جو اس نے آتے ہی محسوس کی تھی ، اب نہیں تھی۔ دریا شادی خان سیہ رو کے مسئلے کو طے کر کے جانا چاہتا تھا۔ کیا خوب اتفاق ہے کہ اس شخص نے یہ موضوع خود ہی چھیڑ دیا ہے۔ اس لیے بات فیصلہ کن ہو جائے تو انسب ہے اور ایسے ہی ایک اور تاریک کمرے میں ایک اور فراخ کرسی میں ٹانگیں پھیلائے بیٹھا ایسا ہی ایک اور ہیولا خوشامد میں چہار ہا تھا اور دریا اور شادی سے ایک زیادہ عالی منزلت ایک تاجدار) یا شاید وہ مادہ تھی (کو آمادہ کر رہا تھا کہ رعایا پر گرفت رکھنے کے لیے کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ بعض عمائد مملکت کو عطر اور لباس کے تحائف دیئے جائیں ؟ یا برتنوں کے تھے ؟ اور مواصلت کے لیے یہ حکمت تیار کی گئی ناکتخد ا عورتوں کے تھے ؟ کس لئے کہ ان اشیا سے متعلق یہ حکمت اس خانہ زاد کے پاس فی الوقت موجود ہے اور یہاں یہ کہانی ختم اور شروع ہوتی ہے ۔) "[2]۔کہانی کی فنی خوبی یہ ہے کہ یہ تمثیل نہ ہوتے ہوئے بھی اکہری ساخت کی حامل نہیں بلکہ کئی سطوں پر اپنے مطالب و معنی کا ادراک کرتی ہے اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں کی کہانی بن جاتی ہے۔

پروفیسر انوار احمد اس افسانے کے متعلق لکھتے ہیں کہ: اقتدار کے ، کے کھیل کے اندر آرزو، فریب ، سازش، بے رحمی، باخبری اور لاعلمی کے عناصر کی ڈرامائیت پر مبنی ایسا افسانہ ہے جو عزیز احمد کے '' جب آنکھیں آہن پوش ہوئیں ''اور'' خدنگ جستہ '' کے پائے کا ہے کہ اس میں تخیل اور عصری شعور سے بصیرت افروزی کا کام لیا گیا ہے ۔) '' [3]

رگھویا اور تاریخ فرشتہ:

یہ افسانہ مجموعہ نربدا میں شامل ہے۔ '' رگھو با اور تاریخ فرشتہ '' ایک طویل افسانہ ہے یہ تاریخ اور عصر کے رشتے جوڑنے والی کہانی ہے۔ یہ تین بھائیوں کی کہانی ہے جو نچلے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان میں دو اپنی ذہانت کو استعمال کرتے اور اس سے چالا کی میں ڈھالتے ہوئے پہلا ترقی کے زینے تہہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس کہانی میں درباری سازشیں دکھائی گئی ہیں کہ کسی طرح لوگ مخبروں کا روپ دھارتے پھرتے ہیں اور لوگوں کی تربیت کرائی جاتی ہے تا کہ وہ جاسوسی کر سکیں۔کم رفتار کند ذہن شاگر و چھوٹا موٹا مخبر بنا کر فارغ کر دیا جاتا تھا۔ اس کے آقا کی رقم کا ایک حصہ اس کے ساتھ لوٹا دیا جاتا ہے اور یہ بات شرمندگی کی ہوتی تھی۔) '' [4]تین بھائیوں میں سے دو بھائی آگے بڑھ کر تاریخ فرشتہ میں اپنا نام لکھواتے ہیں لیکن ایک بھائی خود اپنے بارے میں اور بھائیوں کے بارے میں بتاتا ہے کہ: میرے دونوں بھائی ایک دیکھتی ہوئی آرزو مندی میں دیوانہ وار رینگتے ہوئے دشت گمنامی سے باہر اور تاریخ فرشتہ کے تیز و سدھارے سے جڑ گئے ۔ سو اب وہ لرزاں اور لافانی ہیں۔ سمجھو ایک نہ رکنے والے گرد بار میں ہیں۔ میں رکھو با بہت ہوشیار .... اب اقتباس کے چھیں دینے والے پانوں سے بر وقت بچ گیا اور محمد قاسم فرشتہ کی دسترس سے دور آج شہر ملتان کی ایک بے نام مسجد میں چھپا اور آپ اپنے خاتمے کا انتظار کرتا ہوں۔) '' [5]۔یہ کہانی بھی تاریخ فرشتہ کے حوالے کے باوجود اسد محمد خان کے تخیل کی بنت ہے اور بہت ہی خوبصورت کہانی ہے۔ تاریخ کے حوالے سے ایک اور اقتباس دیکھئے:

سواب میں پینچ دیناری غلام ، اپنا بلاوا آنے تک اس مخفی حجرے میں بیٹھا ہوں اور بے مثل و نگیاں، چوڑیاں ، لاکھ کے کڑے بنائے جاتا ہوں بنائے جاتا ہوں اورجانے کو تیار ہوں۔) '' [6]اس کہانی کا حسن بیانیہ انداز میں ہے۔ بہت روانی اور قرین قیاس اسلوب میں کہانی بنی گئی ہے جس نے تاریخ کا سا انداز اور ہندی الفاظ کی آمیزش شامل ہے۔

شہر کوفے کا محض ایک آدمی:

یہ افسانہ مجموعہ " برج خموشاں '' میں شامل ہے۔ کہانی کے پہلے حصہ میں تاریخ کے وہ لمحات ہیں جنہوں نے زمرد اور یا قوت اور مشک اور عنبر کے بہتر تابوت اپنے کندھوں پر اٹھائے تھے ۔ افسانہ نگار افسانہ بیان کرنے کے بجائے داستانوی طرز میں افسانہ سناتا ہے۔ افسانے کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے:ایک ایسے آدمی کا تصور کیجئے جس نے

کوفے سے امام کو خط لکھا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ دارالحکومت میں تشریف لائے حق کا ساتھ دینے والے آپ کے ساتھ ہیں۔ وہ آدمی اپنے وجود کی پوری سچائی کے ساتھ اس بات پر ایمان بھی رکھتا ہو ، لیکن محط لکھنے کے بعد دو گھر جاکر سو گیا ۔) " [7]

مصنف بیان کرتا ہے کہ جیم الف) عام آدمی (ایک ایسا ہی شخص ہے جسے مسلم بن عقیل کے واقعہ کا پتہ چل جانے کے بعد وہ روتا پیٹتا ہے، گریبان چاک کرتا ہے۔ پھر سیر ہو کر کھانا کھاتا ہے اور سو جاتا ہے۔

اس افسانے میں افسانہ نگار نے واقعہ کربلا میں حضرت امام حسین کو استقامت کی علامت کے طور پر استعمال کیا ہے اور جیم الف وہ شخص ہے جو حضرت امام حسین سے حد درجہ محبت کرتا ہے لیکن ان کے لیے عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اسکے بعد افسانے میں یہ بیان ہوا ہے کہ آخری لمحے میں جیم الف اپنے باطن کی سچائی اور اپنی وابستگی کا اظہار کر کے عجیب طرح سے مقبول بارگاہ ہوتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

جب کسی نے پکار کر کہا کہ سنگ دنیا شمر ذو الجوشن نے بھیانک ارادے کے ساتھ اپنا گھوڑا امام کی طرف بڑھا دیا ہے تب ، اسی وقت وہ چیخ مار کر اٹھا۔ اسی لمحے اس کی وابستگی اور اس کے باطن کی سچائی نے ظہور کیا اور اس اگلے لمحے میں جب شمر نجس کا وار امام پر ہوتا اور انسانی تاریخ کا سب سے بھیانک جرم سرزد ہو جاتا، اس اگلے لمحے وہ آدمی امام اور قاتل کے درمیان کھڑا ہو([8])گیا۔

افسانہ نگار نے واقعہ کربلا کو موجودہ عہد کے واقعہ فلسطین سے مناسبت دینے کی کوشش کی ہے مصنف بیان کرتا ہے کہ ایک ایسے ہی شخص کا تصور کیجئے مگر یہ واقعہ جسے افسانے میں پہلی بار بیان کیا گیا وہ جیم الف ایک عام آدمی کی طرح چھوٹے موٹے کام کر کے خوش رہتا ہے۔ اپنی زندگی میں کبھی اس نے نیکی کا کوئی بڑا کام نہیں کیا اور نہ ہی اس سے کوئی بڑا گناہ سرزد ہوا۔ یہ جیم الف مظلوموں کے درد کو محسوس کرتا ہے ان کے لیے دعائیں کرتا ہے اور ظالموں کو مخش بولتا ہے لیکن حق کی خاطر کوئی عمل کرنے سے قاصر ہے۔اسے اس کی بے بسی کہہ اور کہہ رہا تھا میں نے حرم شریف میں دنیا کے پہلے مظلوم اور مستقیم آدمی سے لے کر فلسطینیوں تک سب کے لیے دعا کی اور رونا مجھے اپنی ضلالت اور بے بسی پر آتا تھا کہ میں اگر کربلا کے سن ہجری میں ہوتا تو اپنے گھر میں پڑا کلپتا رہتا۔ مجھ میں اتنی استقامت بھی نہ ہوتی کہ جلانے کی لکڑی کھینچ کر ظالموں کے سامنے جا کھڑا ہوتا اور گھوڑوں تلے روند دیا جاتا۔

غصے کی نئ فصل:

یہ افسانہ اسد محمد خان کے تیسرے افسانوی مجموعے " غصے کی نئ فصل " میں شامل ہے۔ افسانے کا مرکزی خیال یہ ہے کہ غصہ اور نفرت انسانی جذبات کے اہم جز ہیں۔ دوسرے جذبوں کی طرح(محبت ، نفرت، غصہ اور عقیدت)

انسان کی فطرت میں شامل ہیں۔ اس لیے کسی مصنوعی طریقے سے انسان اس سے پاک نہیں ہو سکتا۔حصے کی نئی فصل " میں حافظ شکر اللہ خان ایک ایسا کردار ہے جو شیر شاہ سوری کے عہد سے متعلق ہے۔ یہ ایک عام کردار ہے جسے بادشاہوں کی تعریف رقم کرنے والے مورخین کوئی اہمیت دینے کو تیار نہیں لیکن یہ کردار ادب کی دنیا کا ایک زندہ کردار ہے جو اس زمانے کی ثقافت کا آئینہ دار ہے۔ وہ ثقافت جو عام انسانوں کی زندگیوں کا حصہ ہوتی ہے۔ یہ کردار علم دوست ہے اور اپنی علم دوستی کی غرض سے دائر الخلافہ جانے کی کوشش کرتا ہے تا کہ وہاں کے سرکاری کتب خانہ سے استفادہ کرے اور شیر شاہ سوری جس کے آباؤ اجداد کا تعلق اس کے قصبے سے تھا کو ملے۔ وہ خود کو اور شیر شاہ کو ایک تعلق میں بندھا دیکھتا ہے اور بانات کے ایک ٹکڑے میں شیر شاہ کے گھر کی دہلیز کی مٹی باندھ لیتا ہے۔ سلطان شیر شاہ سوری سے ملنے کا قصد کر کے دارالخلافہ کا سفر کرتا ہے۔ وہاں پہنچ کر وہ ایک سرائے میں ٹھہرتا ہے، جہاں ایک رات وہ ایسے لوگوں کو دیکھتا ہے جو مصنوعی طریقے سے اپنے غصے کا اظہار کر کے اس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہیں۔

افسانے کا دوسرا کردار اس فرقے کے متعلق حافظ شکر اللہ خان کو اطلاع دیتا ہے کہ یہ مردوزی فرقہ ہے جو دارالخلافہ میں خوب پھل پھول رہا ہے۔ اس فرقے کی عمومی فکر یہ ہے کہ: مر دوزی اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ آدمی کا مزاج محبت اور غصے اور عقیدت اور نفرت سے مل کر تشکیل پاتا ہے، مگر اپنی تہذیب اور تعلیم اور تمدنی تقاضوں سے مجبور ہو کے انسان اپنا غصہ اور اپنی نفرت ظاہر نہیں ہونے دیتا، جس سے فتور واقع ہوتا ہے ....مردوزی کہتے ہیں ..... اگر دن کے خاتمے پر اسے ظاہر ہونے کا موقع دیا جائے تو ایک دن ایسا آئے گا کہ آدمی غصے اور نفرت سے پوری طرح خالی ہو جائے گا۔ مردوزی اس کیفیت کو تکمیل کا نام دیتے لیا۔ "[9]

افسانے کا اختتامیہ بھی بے حد علامتی رمز کا حامل ہے:

شکر اللہ خان گینڈا اس فرقے کی عمومی فکر سمجھنا چاہتا تھا، تو اصفہانی نے بیان کیا کہ مردوزی اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ آدمی کا مزاج محبت اور غصے اور عقیدت اور نفرت سے مل کر تشکیل پاتا ہے مگر اپنی تہذیب اور تعلیم اور تمدنی کا تقاضوں سے مجبور ہو کر انسان اپنا غصہ اور اپنی نفرت ظاہر نہیں ہونے دیتا جس سے فتور واقع ہوتا ہے اور نفرت مزاج کی سطح سے نیچے جا کر سڑنے لگتی ہے۔ پھر یہ آدمی کے اندر ہی چلتی بڑھتی ہے۔ آدمی سمجھتا ہے کہ دو قصے سے پاک ہو چکا اور اس کے مزاج کی ساخت غصے اور نفرت کے بغیر ممکن ہو گئی۔) ‘‘ [10]۔فطرت انسانی کو سمجھنے کے لیے تاریخ کا التباس پیدا کرنا ایک فنی ہنر بن جاتا ہے۔ کیا اس مصنوعی طریقے سے انسان نحصے سے پاک ہو جاتا ہے۔ انسان اپنی فطرت پر مصنوعی طریقوں سے کتنا قابو پاسکتا ہے۔ سوریوں کے باڑے کی مٹی کو حافظ شکر اللہ خان

سفید گلابوں کے تخت میں پھینک دیتا ہے اور پھر:

کل تک جس تختے میں برف کی طرح سفید پھول کھلے ہوں گے آج اس میں انگار و سے لال گلاب دیک رہے تھے۔)‘‘[11]

اسد محمد خان کے افسانوں میں تہذیبی شعور:

تہذیب ایک ایسا ہمہ گیر ، ہمہ جہت اور متنوع تصور ہے جو انسانی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے۔ تہذیب میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جن کا تعلق اقدار یا اعیان سے ہے۔ اسد محمد خاں کی کہانیوں میں اوراق گمشدہ کی بازیافت کا جو عمل ہے وہ اتنا متاثر کن ہے کہ جب ورق ورق کہانی پڑھ کے کتاب بند ہوتی ہے تو شعور ولا شعور کے کتنے ہی در یچے وا ہو جاتے ہیں جن میں کہانی کے شوخ رنگوں سے عبارت مناظر اور زندگی سے بھر پور کردار اپنے پورے وجود کے ساتھ رقص بداماں نظر آتے ہیں۔کہیں وندھیا چل اور مانڈو کی تہذیب زندہ اور متحرک دکھائی دیتی ہے تو کبھی خلجیوں اور لودھیوں کے دربار کی ریشہ دوانیاں کہانی کا روپ دھار لیتی ہیں۔ کہیں لہریں مار تا ر بدا اور دوسرے دریاؤں کا جلترنگ ہمیں سنائی دیتا ہے تو کبھی مئی داداؤں اور مریموں جیسے گھریلو خدمتکاروں کی روداد الم ہمیں لہو لہان کر جاتی ہے۔ دراصل ہند اسلامی تہذیب کا وہ منظر نامہ جو صدیوں کی گردش کے بعد عالم وجود میں آیا اسے اس طرح کہانی میں ڈھال دینا کہ سارے کردار زندہ ہو کر ہمارے پورے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیں، یہ اسد محمد خان کے قلم کا کمال ہے۔

با سودے کی مریم:

با سودے کی مریم اسد محمد خان کا نمائندہ افسانہ ہے، جو سب سے پہلے" فنون "میں شائع ہوا۔ ان کا پہلا افسانوی و شعری مجموعہ’’ کھڑ کی بھر آسمان " جب ۱۹۸۲ء میں منصہ شہود پر آیا تومذکورہ افسانہ اس مجموعہ کی زینت بنا۔ باسودے کی مریم "ویسے تو ایک کرداری افسانہ ہے جو مریم نامی آیا، جسے" انا بوا "کہا جاتا ہے، کے گرد گھومتا ہے۔ مریم جو سلیقہ شعار ، ہمدرد، باوفا، باحیا، حب رسول اور حب اہل بیت سے سرشار ہے، اس افسانے کا مرکزی کردار ٹھہرتا ہے۔ مصنف نے کسی خاص، مقتدر اور اونچے طبقے کی بجائے نچلے طبقے کا ایک ایسا کر دار اس افسانے کے مرکزی کردار کے طور پر چنا ہے جو ایک خاص طبقے، تہذیب و ثقافت کا نمائندہ ہے افسانے کا بنیادی خیال یہ ہے کہ ایک نا خواندہ عورت کی نبی کریم صلی علیہ سے بے پناہ محبت اس کی وسعت قلب کا سبب بنتی ہے۔

یہ افسانہ پاکستان بننے سے پہلے کے سماج اور تہذیب کا آئینہ دار ہے، جس میں ریمنڈ ولیمز کی بیان کردہ کلچر کی تینوں حالتیں :حاوی، باقیاتی اور نو خیز کلچر نظر آتا ہے۔ اس افسانہ میں جس کھچر اور جس طرح کی تہذیبی اقدار کی بازیافت

کی گئی ہے وہ تقسیم سے پہلے کا زمانہ ہے۔ اسد محمد خاں اس ہندو مسلم مشترکہ تہذیب کے چشم دید گواہ ہیں۔مبین مرزانے اس افسانے کے مرکزی خیال پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:کیا مریم ہند اسلامی کلچر کی اس قوت کا استعارہ نہیں جو اپنے مرکز سے دور ہے اس کے تاریخی و جغرافیائی فکر و فہم سے عاری ہے لیکن اس کے باوجود یہ قوت کھینچتی ہے اپنے مرکز ہی کی طرف) [12]

لیکن افسانے کا بنیادی خیال یہی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی الم سے محبت نے ایک غریب و بے پڑھی لکھی عورت کے دل میں وہ وسعت پیدا کر دی کہ اب اس کا دل اس محبت کے حوالے سے اپنی ارد گرد کی دنیا کو صرف محبت و ایثار سے بھر دیتا ہے۔

مریم اس افسانے کی مرکزی کردار ہے جو ایک گھر میں ملازمہ ہے۔ اس کردار کے ارد گرد پوری کہانی کو تشکیل دیا گیا ہے۔ کہانی میں سب سے پہلے مریم کو ایک گھر کی ملازمہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جو گھر کے تمام افراد سے بے حد محبت کرتی ہے۔ یہاں گھر کے ایک لڑکے کو مار پڑتی ہے تو مریم، کہتی ہے:

میں مریم کے اندھیرے قلعے میں بڑی دیر تک ٹھس ٹھس کر کے روتا رہا۔ وہ اپنے اور میرے آنسو پو چھتی جاتی تھیں اور چیخ چیخ کر خفا ہورہی تھیں۔ اے ری دلھمیں یہ اللہ کی دین ہیں۔ نبی کے امتی ہیں، انہیں مارے گی، کوئے گی تو اللہ نبی کھش ہوں گے تجھ سے تو یہ کر و لحین اتو بہ کر۔) [13]

اس کے بعد مریم کی نبی صلی الی یم اور ان کے اہل و عیال سے محبت پر مشتمل ہے، جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر نبی کریم صلی علیم کی بیٹی کا نام بھی کسی کا رکھ دیا جاتا تو وہ اس سے خفا ہو جاتی تھیں۔ اقتباس ملاحظہ ہو:ری بھین ابی بی بھاطمہ تو ایکئی تھیں۔ نبی جی سرکار کی سجا دی تھیں، دنیا آکھرت کی باچھا تھیں، ہم دونی کے کندے بھلا ان کی بر ویری کریں گے تو بہ تو بہ استغفار ۔) ،، [14]

مریم محرم میں تعزیہ بناتیں ، امام حسین کا نام لے کر بین کرتیں اور گھر کے لڑکوں کو حسن اور حسین کے فقیر بناتیں وغیرہ۔

مریم کی زندگی کی ایک ہی خواہش تھی کہ وہ حج کر لیں۔ اس افسانے میں سفرحج کی تیاریوں کا ذکر بہت تفصیل سے ہے، جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مریم خود اپنے بچائے ہوئے پیسوں سے حج کرنا چاہتی تھیں کیونکہ وہ اس کار خیر میں کسی کا احسان نہیں لینا چاہتیں لیکن اسی در میان مریم کا چھوٹا بیٹا مد و بیمار ہو جاتا ہے اور مریم با سو دے چلی جاتی ہیں۔ بیمار بیٹے کو بچانے کے لیے حج کے تمام پیسے وہ علاج میں خرچ کر دیتی ہیں۔ لیکن محمد و کا انتقال ہو جاتا ہے۔ مریم واپس لوٹ آتی ہیں اور اپنے بیٹے کو کوستی ہیں کہ اس نے ان کے سارے پیسے خرچ کر وادیئے۔افسانے

کے آخری حصہ میں اسے دوبارہ سے پیسے اکٹھا کرتے دکھایا گیا ہے لیکن ابھی پیسے پورے نہیں جمع ہو پائے کہ مریم کا انتقال ہو جاتا ہے۔ افسانے کا انتظامیہ مریم کے ذریعہ کی گئی وصیت پر ختم ہوتا ہے، جو گھر کے مالکن کی زبان سے ادا کر دیا گیا ہے۔ اس میں مریم کی نبی کریم صلی علیم سے بے انتہا محبت ظاہر ہوتی ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

منجھلے میاں ! اللہ نے اپنے حبیب کے صدقے میں حج کرادیا۔ مدینے طیبہ کی زیارت کرادی اور تمہاری انا بوا کی دوسری وصیت بھی پوری کرائی۔ عذاب ثواب جائے بڑی بی کے سر، میاں ہم نے تو ہرے گنبد کی طرف منہ کر کے کہی دیا کہ یا رسول اللہ ! با سودے والی مریم فوت ہو گئیں۔ مرتے وقت کہہ رہی تھیں کہ نبی جی سر کارا میں آتی ضرور مگر میر احمد و بڑا حرامی نکلا میرے سب پیسے خرچ کر ا دیئے ۔) " 15۔یہی وہ کائنات ہے جسے ہر نیا فن کار اسے نئے سرے سے تخلیق کرتا ہے اور اسد محمد خان جیسا فن کار مریم جیسے کردار تخلیق کرتا ہے جو اس کا ئنات کی نئی تفہیم اور از سر نو صورت پذیری میں کام آتے ہیں۔ اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ" با سودے کی مریم " اردو کے بہترین افسانوں اور مریم کا کردار اردو کے شہ کار کرداروں میں شامل کرنے کے قابل ہے۔ یہ ایک ایسا زندہ و تابندہ، متحرک اور عشق کی لگن سے سر شار کردار ہے کہ افسانہ پڑھنے کے بعد ذہن پر ایسالا زوال نقش چھوڑ جاتا ہے کہ ذہن سے اس کا محو ہو جانا محال ہو جاتا ہے۔

مئی دادا:

یہ افسانہ بھی مجموعہ " کھڑ کی بھر آسمان " میں شامل ہے۔ مئی دادا افسانہ بھی با سودے کی مریم کی طرح ایک خادم کی کہانی ہے۔ یہ بھی اسی معاشرے کی کہانی ہے، جس معاشرے کا بیان با سودے کی مریم میں کیا گیا ہے ۔ یعنی مسلم معاشرے میں ایک خاص طور کا زمیندار گھرانہ جس میں خادم کے ساتھ مساویانہ سلوک ان کی معاشرت کا حصہ کاز ہے۔ گھر کے تمام لوگ اس سے محبت کرتے ہیں اور اس کا شمار گھر کے افراد میں کیا جاتا ہے۔اسی طرح اسد محمد خان کے مرکزی افسانوں کے کردار میں مئی دادا " ایک غیر معمولی کردار ہے۔ افسانے کا عنوان مرکزی کردار کے نام پر ہی رکھا گیا ہے۔ مئی دادا ایک پشتون پٹھان کے یہاں ملازم ہیں۔ ان کے جسم میں پشتون خون نہیں ہے۔ مصنف یہ بات افسانے کے بالکل آخر میں بتاتا ہے کہ وہ ایک ہندو تیلی تھا لیکن اپنے مالک کی تہذیب کو اپنے اندر اس طرح جذب کیسے ہوئے ہے کہ اس سے الگ کر کے اس کردار کا مطالعہ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ ذات کا تیلی ہونے کے با وجود مئی دادا کا کر دار پشتو پٹھان ہی دکھتا ہے۔ مئی دادا کا کردار اسی نقطے کے ارد گرد تشکیل دیا گیا ہے کہ وہ پٹھان تھے یا نہیں ؟ افسانے کی ابتدا میں بتایا گیا ہے کہ:

خود می داد کا بیان تھا کہ ان کا اصل نام ابدل مزید کھاں اسپ جئی ہے۔ چنانچہ پولیس کے مشیر ناموں ، راشن

کارڈوں، سرکاری اسپتال کے کاغذوں آخر میں قبرستان کے رجسٹر میں ان کا نامعبد المجید خان یوسف زئی لکھا گیا۔ اگر ان کا کوئی وارث ہوتا تو لوح مزار پر بھی عبد المجید خاں یوسف زئی ہی لکھا جاتا۔ اس لیے کہ ان کی وصیت یہی تھی۔) " [16]

لیکن اسی افسانے میں مصنف مئی دادا کو ہند و ثابت کر دیتا ہے:

متی دادا کے بارے میں محلے کے دھوبیوں نے ازار کھا تھا کہ دوذات کے ہندو تیلی ہیں اور ان کی مسلمانیاں نہیں ہوئی۔) ''[17]

اس کے بعد افسانے کے آخر تک مصنف مئی دادا کی زندگی کے مختلف واقعات بیان کرتا ہے، جن میں وہ صرف پٹھان نظر آتے ہیں۔ ایک اور اقتباس دیکھیے ، جن میں مئی دادا کا کردار مصنف کے بیان کے ذریعے روشن ہوتا ہے:

میں نے ڈبا کیمرے سے کھینچی ہوئی بادامی رنگ کی ایک بوسید و تصویر بھی دیکھی ہے جس میں اٹھارہ میں برس کے مئی دادا کان کی لو تک پہنچی ہوئی لوہا چڑھی لاٹھی تھا ہے، تاراسی آنکھوں میں بہت سا سرمہ بھرے ایک زبر دست پر باندھے کیمرے کو گھورتے ہوئے دکھائے گئے[18]ہیں۔مبین مرزا اس افسانے کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

مئی دادا ایک ایسا جیتا جاگتا کردار تھا جو خاص ای تمدن کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا، جو اس تہذیب کے اس جوہر کی نمائندگی کرتا ہے، جس میں جذب ہونے اور جذب کرنے کی بے پایاں صلاحیت ہے۔ جو انسان کی سب سے بڑی جذباتی عصبیت یعنی مذہب تک کو پیچھے چھوڑ کر انسان کو اس کے خالص انسانی حوالے کی بنیاد پر اوپر اٹھالیتا ہے، اپنا بنا لیتا ہے۔ ''[19]

اس کے بعد افسانے میں واقعات کی ترتیب اس طرح ہے کہ قاری کو یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ مئی دادا ایک پشتون پٹھان نہیں تھے۔ وہ اپنے اعمال وافعال سے پورے پشتون دیکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنے مالک کی تہذیب کو اپنی ذات میں اس قدر جذب کر لیا تھا کہ اس سے جدا کر کے ہم ان کی شخصیت کا مطالعہ کر ہی نہیں سکتے۔ مئی دادا کا اپنے مالک کی تہذیب کا اپنے اندر انجذاب اور اس کے تئیں وفاداری بے مثال ہے۔افسانے کا یہ اقتباس دیکھئے:

سنکھیا رام ذات کا تیلی تھا اور آخری بات یہ کہ بیڑی پیتے ہوئے نواب غوث بہادر جنت مکانی کے پیش قبض سے پنسل چھیل رہا تھا۔ مئی دادا نے ازل گر چھتا یا بھان کے کہہ کر جو ایک زنانے کا تھپڑ مارا تو حولدار سکھیا کی بیڑی اور پنسل دور جا پڑی پھر انھوں نے اس تیلی کے پودے کو اطلاع دی کہ یہ شیر بچوں کی میراث ہے۔ تیری ترکاری کاٹنے والی چھری نہیں، اور یہ تیرے ہاتھ لگنے سے نجس ہو ہی چکی تھی مگر میں نے صبر کیا۔ اور جواب تو بھان کے گھوڑے اس سے پنسل چھیلتا ہے اب تو میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گاو غیر وہ [(20)]اس افسانے کا یہ اقتباس دیکھیے جو

مئی دادا کا تہذیبی حوالے سے بیان کیا گیا ہے:

انہوں نے علی گڑھ سے نفسیات میں فاضل کی سند خواہ مخواہ تو نہیں لی تھی۔ دس میں منٹ میں اپنے توپ عہدے کی دھونس دیے بغیر بڑے پیار سے اپنے اس ماہ تخت افسر کو قائل کر لیا کہ یہ گنڈا کر دی اور فوجداری سے زیادہ تاریخ کی بازی ہارتے ہوئے غیرت مند قبیلے کی جھلاہٹ اور مجروح وانا کا مسئلہ ہے۔ کو توالی انچارج ذات کا چوہان راجپوت تھا اور تلوار باندھنے والے ہارتے ہوئے ہاتھوں کی تکلیف کو شاید سمجھتا تھا۔ علاوہ ازیں ایک بے وقوف غیر سپاہی ہیڈ کانسٹیبل کی وجہ سے اپنے افسران بالا کے لیے مزید مسائل پیدا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ "[21]افسانے کے آخری حصے میں مصنف بیان کرتے ہیں کہ مئی دادا ایک بار پھر غیر مسلم ثابت ہو جاتے ہیں:

وہ غشی کی حالت میں تھے کہ میں نے انھیں ڈھکا کھلا دیکھ لیا میں نے دیکھا کہ ان کی مسلمانیاں نہیں ہوئی تھیں۔ "[22]

لیکن افسانے کے اختتام پر مصنف نے خاندان کے سب سے معتبر فرد کو یہ کہتے ہوئے دکھایا کہ اور ایک بار پھر انہیں مسلمان پٹھان ثابت کر دیتا ہے۔دو جاتے جاتے غصے سے پلٹ پڑے، اور سنو کون خبیث کہتا ہے وہ مسلمان نہیں تھے ؟ کون کہتا ہے وہ پٹھان نہیں تھے " [23]

حاصل بحث

مذکورہ بالا تحقیقی مضمون واضح کرتا ہے کہ اسد محمد خان ایک فاضل شخصیت ہیں جن کے افسانے تاریخی و ثقافتی بیان کا بہترین امتزاج ہیں۔ مصنف نے حالات وواقعات کو خوبصورتی کے ساتھ تاریخی تناظر میں پیدا کر کے قارئین کو متوجہ کر لیا۔ان کے اس مضمون میں ایک افسانوی کاوش کو جانچنے کی کوشش کی گئی جو یہ بتاتی ہے کہ اسد محمد خان نے افسانہ نگاری کو ایک نیا رنگ دیا ہے۔ جو عام اردو قارئین کیلئے دلچسپی کا سبب بنا۔

حوالہ جات

1- انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۷ء، ص ۷

2-اسد محمد خان، جو کہانیاں لکھیں، کراچی: اکیڈمی بازیافت، ۲۰۰۶ء، ص ۴۱۲

3 -انوار احمد، پروفیسر، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۷ء، ص ۷۳۳

4-اسد محمد خان، جو کہانیاں لکھیں، کراچی: اکیڈمی بازیافت، ۲۰۰۶ء، ص ۴۴۴

5-ایضاص ۴۱۲

6-ایضاً، ص ۴۴۵

7 -اسد محمد خان، افسانہ: شہر کوفے کا محض ایک آدمی، مشمولہ، برج خموشاں، کراچی: سیفورٹین، ۱۹۹۰ء ص ۱۳۰

8 -ایضاً، ص ۱۳۲-۱۳۱

9-اسد محمد خان، غصے کی نئی فصل، کراچی: زینت حسام۱۹۹۷ء، ص ۲۲

10- ایضاً، ص ۱۰

11- ایضاً، ص ۲۳

12۔ مبین مرزاہ نئے زمین نئے آسماں تراشتاہوں (مشمولہ) جو کہانیاں لکھیں از اسد محمد خان، کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۶، ص

13۔افسانہ، باسودے کی مریم (مشمولہ) کھڑی بھر آسمان از اسد محمد خان، ۱۹۸۲ء، ص ۱۰۵

14 -ایضاً، ص ۱۰۷

15-ایضاً، ص ۱۱۳

16 -اسد محمد خان، افسانہ، مئی دادا، مجموعہ، کھٹر کی بھر آسمان، ۱۹۸۲ء، ص ۱۱۴

17 -ایضاً، ص ۱۱۴

18- ایضاء ص ۵۱

19 - مبین مرزا، نئے زمین نئے آسماں تراشتاہوں، مشمولہ، ۲۰۰۶، ص ۱۹

20 -اسد محمد خان، افسانہ، مئی دادا، مجموعہ، کھٹڑ کی بھر آسمان، ۱۹۸۲ء، ص ۱۱۴

21 -ایضاً، ص ۱۲۰

22-ایضاً، ص ۱۳۱

23۔ایضاً، ص ۱۳۰۔

References

1. Anwar Ahmed, Dr., Urdu Fiction: A Story of a Century, Islamabad: Muqtadarah Qaumi Zaban, 2007, p. 7
2. Asad Muhammad Khan, Who wrote stories, Karachi: Academy Reprint, 2006, p. 412
3. Anwar Ahmed, Professor, Urdu Fiction: A Story of a Century, Islamabad: Muqtadarah Qaumi Zaban, 2007, p. 733
4. Asad Muhammad Khan, Who wrote stories, Karachi: Academy Reprint, 2006, p. 444
5. Ibid. p. 412
6. Ibid. p. 445
7. Asad Muhammad Khan, Fiction: A Man from the City of Kufa, including Burj Khamushan, Karachi: Seaforteen, 1990, p. 130
8. Ibid. p. 131-132
9. Asad Muhammad Khan, A New Season of Anger, Karachi: Zeenat Hussam, 1997, p. 22
10. Ibid. p. 10
11. Ibid. p. 23
12. Mubeen Mirza, I Carve New Lands, New Sky (Included) Stories Written by Asad Muhammad Khan, Karachi: Academy Retrieval, 2006, p.
13. Fiction, Maryam of Bargaining (Included) Khadi Bhar Aseman by Asad Muhammad Khan, 1982, p. 105
14. Ibid., p. 107
15. Ibid., p. 113
16. Asad Muhammad Khan, Fiction, May Dada, Collection, Khattar Ki Bhar Aseman, 1982, p. 114

17. Ibid., p. 114
18. Ibid., p. 51
19. Mubeen Mirza, I Carve New Lands, New Sky, Included, 2006, p. 19
20. Asad Muhammad Khan, Fiction, May Dada, Collection, Khattar Ki Bhar Aseman, 1982, p. 114
21. Ibid., p. 120
22. Ibid., p. 131
23. Ibid., p. 130